Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

اشفاق احمد کے شخصی تضادات اور ایام جوانی سے پیری تک کا سفر

The Contradictions of Ashfaq Ahmed's Personality and Journey from Youth to Maturity

ساجدہ اسلم

پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، دی ویمن یونیورسٹی ملتان

ڈاکٹر سارہ مجید

لیکچرر شعبہ اردو، دی ویمن یونیورسٹی ملتان

Sajida Aslam

PhD Urdu Scholar, The Women University Multan

Dr. Sara Majeed

Lecturer Urdu, The Women University Multan

ISSN

eISSN: 2789-6331

pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an article open access distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Ashfaq Ahmed has a prominent position among the personalities who raised the edifice of Urdu literature. Whose names, works, literature, legends and dramas are known to all people. He needs no introduction in the world of academic and literary circles and media. He is considered a Sufi sage .because of Talqin Shah, Zawiya and Sufi legends and plays But at the same time, Ashfaq Ahmed's writings are also .accused of supporting the viewpoint of the dominant time However, in this paper, all the personal characteristics and contradictions of Ashfaq Ahmed have been explained on the basis of evidence. So that it becomes clear how Ashfaq Ahmed lived and experienced the life of a common man. But in his evolutionary journey he learned a lot which is reflected in his writings. While personal contradictions exist in every human being, it is admirable for them to identify their own flaws.

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

Keywords: Ashfaq Ahmed, Personal Contradictions, Sufi Baba, Talqin Shah, Zawiya, Bano Qudsia.

اُردو ادب کی عمارت کو بلند کرنے والی شخصیات میں اشفاق احمد ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کے نام، کام، ادب، افسانوں، ڈراموں اور حکمت سے پُر باتوں سے ادب اور ٹیلی ویژن سے لگاؤ رکھنے والے سب ہی لوگ واقف ہیں۔ اشفاق احمد اُردو ادب کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ علمی و ادبی حلقوں اور میڈیا کی دنیا میں وہ کسی قسم کے تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ تاہم انہوں نے جہاں تلقین شاہ اور زاویہ میں بابا بن کر ناموری حاصل کی، وہیں ان کے صوفیانہ کردار پر منفی باتیں بھی کی گئی۔ ان پر ضیاالحق کی مرضی سے لکھنے کا الزام بھی تھا۔ لہذا اس مقالے میں اشفاق احمد کے اوصاف، عادات و خصائل، شخصی تضادات اور ان کے ایام جوانی سے ایام پیری تک کا جائزہ لیا جائے گا۔ تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ اشفاق احمد ضیاالحق کی منشا پر صوفیانہ تحریریں لکھ رہے تھے یا یہ ان کے اپنے اندر کا ادبی، روحانی اور ارتقائی سفر تھا۔

اشفاق احمد موروثی طور پر پٹھانوں کے مہمند قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے پُرکھوں نے افغانستان سے ہجرت کر کے پنجاب میں ہوشیار پور میں قیام کیا۔ ان کے آباؤ اجداد پیشے کے اعتبار سے کاشت کار تھے۔ لیکن ہجرت کے بعد زمینیں نہ ہونے کے باعث تجارت سے منسلک ہو گئے۔[1] اشفاق احمد ۲۲/ اگست ۱۹۲۵ء کو مکتسر ضلع فیروزپور میں پیدا ہوئے۔ یہ ان کی اصل تاریخ پیدائش ہے جبکہ میٹرک کی سند پر ۲۲/ اگست ۱۹۲۷ء درج ہے۔ اشفاق احمد کے والد محمد خان ڈاکٹر تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ تقسیم ہند کے بعد اشفاق احمد اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے لاہور پہنچے اور ہجرت کے بعد کی انتشاری کیفیت سے دوچار رہے۔ جب کسبِ معاش نے پریشان کیا تو ریفیوجی کیمپ میں مہاجرین کے لیے اناؤنسمنٹ کرنے لگے۔ اور یہیں سے ان میں بولنے کی وہ صلاحیتیں پیدا ہوئیں جن سے مستفید ہونے کے باعث وہ اٹلی ریڈیو روم میں بھی ملازم رہے۔ اور یوں اشفاق احمد ریڈیائی فیچرز، دیگر پروگرام اور تلقین شاہ دلچسپ انداز میں لکھتے پڑھتے ٹیلی ویژن سکرین تک پہنچے۔ پیشہ ورانہ زندگی میں وہ ریڈیو اسٹیشن مری، دیال سنگھ کالج لاہور اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے وابستہ رہے۔ اپنے شوق کی تسکین اور مالی حالات بہتر کرنے کے لیے رسالہ "داستان گو" جاری کیا۔ اردو سائنس بورڈ میں بائیسویں گریڈ کے ڈائریکٹر جنرل عہدے پر بھی تعینات رہے۔ مذکورہ بالا ذرائع سے اشفاق احمد کی معاشی ضرورتیں بھی پوری ہوئیں اور تخلیقی صلاحیتوں میں بھی اضافہ ہوا۔ اور ان کی بے شمار تصانیف اردو ادب کا حصہ بنیں۔

اشفاق احمد کے بڑوں نے مٹھی بند معاشرہ قائم کیا ہوا تھا۔ وہ ملنسار اور مہمان نواز تھے البتہ اپنے خاندان اور قبیلے سے باہر شادی بیاہ جیسے تعلقات قائم نہیں کرتے تھے۔ لیکن اشفاق احمد نے خاندانی مخالفت کو مول لیتے ہوئے، گورنمنٹ کالج لاہور میں اپنے ساتھ ایم۔ اے کرنے والی

قدسیہ سے شادی کی۔ اور دونوں نے آخری دم تک اس رشتے کو خوش اسلوبی سے نبھایا۔ ادبی سطح پر اشفاق احمد کے ساتھ ساتھ بانو قدسیہ نے بھی بے شمار ادب تخلیق کیا۔ تاہم ان کی تحریروں پر ضیا الحق کے نقطہ نظر کی حمایت کے ساتھ یہ الزام عائد کیا گیا کہ اشفاق احمد انہیں لکھ کر دیتے ہیں۔ یہاں بانو قدسیہ کی تحریری صداقت کے شواہد پیش کرنا، نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اشفاق احمد کی شخصیت سے مکمل واقفیت کے لیے ان کی عادات، دلچسپیوں اور ظاہر و باطن کی دنیاؤں کا مطالعہ ناگریز ہے۔ کیونکہ انہی کے امتزاج سے فرد کی شخصیت بنتی ہے۔ اگر ظاہر اور باطن میں واضح فرق ہو تو روپ اور بہروپ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اشفاق احمد کی مجموعی شخصیت کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

اشفاق احمد کی شخصیت میں نرم مزاجی، شگفتگی، شائستگی، ظرافت اوصد ردی جیسی صفات موجود تھیں۔ وہ پڑھے لکھے، باشعور اور فہم و ادراک رکھنے والے انسان تھے۔ علاوہ ازیں اشفاق احمد کی شخصیت کے اور بھی بہت سے پہلو ہیں۔ ان میں خود پسندی کا عنصر بھی پایا جاتا تھا۔ وہ اپنی تعریف و توصیف کو کان اور دل کھول کر سنتے تھے اور کشادہ دلی سے کام لے کر قبول بھی کرتے تھے۔ اس بارے میں ممتاز مفتی یوں رقمطراز ہیں:۔

> ''وہ اپنی فنکارانہ عظمت کا تذکرہ خود نہیں کرے گا۔ لیکن اس کا جی چاہے گا کہ دوسرا کرے۔ دوسرا کرے تو اشفاق کے چہرے پر پھلجھڑیاں چلنے لگیں گی۔۔۔۔۔ وہ سمجھتا ہے کہ تمام تر کریڈیٹ لکھنے والے کا حق ہے۔۔۔۔۔ کریڈیٹ دینے میں اشفاق احمد کنٹرول بنیا ہے''۔[2]

اشفاق احمد اپنی اس عادت کا اعتراف ''سفر در سفر'' میں یوں کرتے ہیں کہ مجھے شروع ہی سے غیبت اور منافقت پسند ہے۔ اور میری انا نے آج تک کبھی یہ برداشت نہیں کیا کہ میرے ہوتے ہوئے کسی اور کی تعریف ہو، کسی اور کی بات ہو اور اس گفتگو میں میرے ہی دوست شریک ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اخلاقی طور پر یہ ایک بُری اور قبیح عادت ہے۔ لیکن یہ عادت میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔[3] اس لیے اشفاق احمد کے لیے اس سے چھٹکارا پانا مشکل ہے۔ اے حمید، اشفاق احمد کے ایام جوانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''بھرپور جوانی کے دنوں میں بھی میں نے اس کی زبان سے کوئی گالی یا گناہ کی بات شاید ہی کبھی سُنی ہو''۔[4]

لیکن اس کے برعکس قدرت اللہ شہاب روم میں اشفاق احمد کے ساتھ اپنے قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ''اُس نے دکان میں داخل ہوتے ہی دکاندار کو ''چاچا'' کہہ کر پنجابی کی ایک فحش گالی دی۔۔۔ اس کے بعد اشفاق نے میرا تعارف کرایا''۔[5] اشفاق احمد کے بارے میں ایک عام رائے ان کے شرمیلے پن کی ہے۔ ان کے دوست تحریر کرتے ہیں کہ:۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

"کنواری شریف زادیوں کی طرح اسے بھی اپنی بدنامی اور نیک نامی کا بہت زیادہ خیال لگا رہتا تھا"۔[6]

جبکہ اشفاق احمد اپنی نیک نامی کے خیال کا تذکرہ خود یوں کرتے ہیں کہ میری اور اس کی یہ ملاقاتیں بس میرے کمرے تک ہی محدود تھیں۔ باہر اس کے ساتھ نکلنا میں گوارا نہ کرتا تھا۔۔۔ ایک طوائف کے ساتھ کھلے بندوں یوں گھومنا کسی شریف آدمی کو کب پسند آتا ہے بھلا۔[7] اشفاق احمد کے درج ذیل بیان کو دیکھتے ہوئے ان کے اس مؤقف کو سمجھنا مشکل نہیں کہ وہ بند کمرے میں تو ایک طوائف سے راہ و رسم رکھ سکتے ہیں البتہ باہر ملنے سے صرف اس لیے خوف زدہ ہیں کہ کہیں کوئی جاننے والا انہیں طوائف کے ساتھ دیکھ کر ان کے گھر تک یہ بات نہ پہنچا دے۔ اور انہیں سُبکی کا سامنا کرنا پڑے۔

اشفاق احمد اور ان کے چاہنے والوں کے بیانات میں ہمیں واضح تضاد ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اختلاف شدہ آراء سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے کہ اے حمید لکھتے ہیں: "میں نے کئی بار اسے کہا کہ چلو ہیرا منڈی چلتے ہیں۔ صرف سیر کر کے آ جائیں گے مگر وہ کبھی میرے ساتھ وہاں نہ گیا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ کسی دوسرے آدمی کے ساتھ بھی کبھی ہیرا منڈی نہیں گیا"[8] یہاں اشفاق احمد کے اپنے اقرار کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ:۔

"اسی زمانے میں مجھے مجرا دیکھنے کا ایسا چسکا پڑا کہ جہاں بھی کسی شوخ و شنگ بائی کے مجرے کی خبر پاتا، اُڑ کر وہاں پہنچ جاتا"۔[9]

اشفاق احمد کو ایک گونگا، خاموش الطبع، شریف النفس، شرمیلا اور عورتوں سے بھاگنے والا بتایا جاتا ہے۔ عموماً انسان کی شخصیت کے دو ہی پہلو ظاہر اور باطن زدِ عام رہے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ہر شخص ظاہر و باطن میں بھی رویوں کی مختلف اقسام رکھتا ہے۔ وہ والدین، بہن بھائیوں، بیوی، محبوبہ، معشوقہ، دوست احباب، عزیز و اقارب اور کبھی کبھار ملنے جلنے والوں ان سب کے ساتھ ایک ہی رویے، گفتگو اور طریقہ آداب سے پیش نہیں آتا۔ بلکہ اس کے مزاج کی مختلف پرتیں ان سب پر الگ الگ طرح سے کھلتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اشفاق احمد نے اپنی شخصیت کے بہت سے رنگوں کو چھپا رکھا ہو۔ لیکن انہوں نے اپنے بہت سے جذبات و احساسات کا اظہار "بابا صاحبا" میں کیا ہے۔ وہاں اشفاق احمد ہر ایک سے بے تکلفی سے بولتے، عورتوں سے گپ شپ کرتے، گلے ملتے، ساحلِ سمندر پر لیٹی برہنہ عورتوں کو قریب سے دیکھتے اور ہوٹل کی میز کو جھک کر صاف کرتی لڑکی کے گریبان میں جھانکتے نظر آتے ہیں۔

اشفاق احمد کے بارے میں ان انکشافات کے بعد بلا تامل ان آراء کو مسترد کیا جا سکتا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ وہ کبھی مجرا دیکھنے نہیں گئے۔ یا ایسی جگہ جاتے تو ان کی طبیعت پر ناگوار گزرتا۔ ان آراء کے برعکس ہمیں وہ عورتوں کے ساتھ ہنسنے بولنے والے شوخ و شریر اشفاق احمد

دکھائی دیتے ہیں۔ جن کی طبیعت میں جولانی پائی جاتی ہے۔ وہ ایسے مناظر سے کترانے کے بجائے سمجھتے ہیں کہ یہ سکون کی تلاش کے مختلف اور اپنے اپنے طریقے ہیں۔

اشفاق احمد کے تعلقات اور دوستی ہر قماش کے لوگوں سے تھی۔ لیکن اچھی پوزیشن کے لوگوں سے وہ زیادہ متاثر ہوتے تھے وہ کہتے ہیں:"مجھ میں بڑے آدمیوں سے مرعوب ہونے کا بڑا ملکہ ہے اور میں ہر بڑے آدمی سے فوراً متاثر ہو کر اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہوں"۔[10] اشفاق احمد کے اس رویے پر اے حمید یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:۔

"اُس نے شروع ہی سے اپنے لیے جو راستہ چنا تھا۔ وہ کچی بستیوں سے ہوتا ہوا قصرِ سلطانی کی طرف جاتا تھا"۔[11]

اشفاق احمد میں محلوں کی خواہش زمانۂ سکول سے تھی۔ وہ ایک بڑا افسر، صدر، سفیر اور سینیٹر بننا چاہتے تھے۔ اسی غرض سے وہ سیاست میں آنا چاہتے تھے۔ اشفاق احمد اس خواہش کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ:"میں نے سیاست میں حصہ لینے کا پروگرام بنالیا۔ اس میں عزت بھی تھی، دولت بھی۔ آسودگی اور فراوانی بھی۔ خوش وقتی بھی اور خوش فکری بھی۔۔۔۔ میں نے بڑے بڑے سیاست دانوں کے قریب رہنے اور ان کی خوشامد کرنے کے لیے اپنے دفتری اوقات سے اچھا خاصہ وقت اُدھار لے کر ان چلتے پھرتے اداروں پر صرف کرنا شروع کر دیا۔۔۔ وہ جو سیاست دانوں اور حکمرانوں کی ایک مخصوص رعونت ہوتی ہے۔ وہ تو مجھ میں فوری طور پر پیدا نہ ہو سکی، البتہ میرے اندر طمطراق کی کئی شمعیں ایک ساتھ روشن ہو گئیں"۔[12] اشفاق احمد باوجود کوشش کے سیاست میں قدم نہیں جما سکے۔ انیس ناگی رقمطراز ہیں:۔

"ایک دہائی قبل انہوں نے اپنی جون بدلی، اپنے اطالوی سوٹ صندوقوں میں بند کئے، کھدر کے کُرتے زیب تن کئے اور وانگوف جیسی داڑھی رکھ لی۔ انہوں نے جس فلسفے کا پرچار شروع کیا لوگوں نے اُسے بے وقت کی راگنی کہا اور ان پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ ہمیشہ حکمران طبقے کی پروجیکشن کرتے ہیں"۔[13]

اصغر ندیم سید بھی اس الزام کی تردید یوں کرتے ہیں:۔

"ضیاء الحق کا زمانہ اشفاق احمد کے لیے بے حد مشکل زمانہ تھا کہ ان کی باتیں اوپر کی سطح پر فوراً ضیاء الحق کے خیالات کی ترجمانی محسوس ہونے لگتی تھیں جبکہ بات ایسی نہیں تھی"۔[14]

اشفاق احمد کی تصانیف کا مطالعہ کریں تو ابتدائی تحریروں میں ہمیں ایک صوفی داؤجی نظر آتے ہیں۔ بعد میں انہوں نے جن خیالات و نظریات کا پرچار کیا۔ وہ اسی داؤجی کی ارتقائی صورتیں ہیں۔ اشفاق احمد طویل مدت تک ان نظریات کو سمجھنے کے لیے سرگرم عمل رہے۔ یہی وجہ

ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ان کی تحریروں میں فکر و فن دونوں کی نمو پذیری ملتی ہے۔ اور بقول انیس ناگی ایک دہائی قبل اشفاق احمد نے جو اپنی جون بدل لی تھی، اسے بدلنے میں انہیں بہت وقت لگا تھا۔ سونے پر سہاگہ کے مصداق ضیاء الحق بھی اشفاق احمد جیسے نظریات و خیالات کے مالک تھے۔ ممکن ہے اشفاق احمد کا تھوڑا بہت جھکاؤ ضیاء الحق کی جانب ہو لیکن تحریری حوالے سے دیکھیں تو اشفاق احمد کی تخلیقات کا موضوع حاکمِ وقت کی ترجمانی سے زیادہ ان کے ذہن، فکر اور تجربات کا نتیجہ تھے۔

اشفاق احمد کے خیالات و نظریات میں تبدیلی کی بڑی وجہ ان کی روشن خیالی تھی۔ ان کے اندر تجسس کا مادہ بھی موجود تھا۔ اسی لیے وہ پیروں، مرشدوں اور بابوں کے پاس اپنے متجسس سوالات اور طبیعت لے کر آسودگی و اطمینان کے لیے پہنچ جاتے۔ وہاں سے انہیں ایسی معلومات دستیاب ہوتیں جو ان کے خیالات کی مچھلیوں کو نئے دریاؤں اور سمندروں کے پانی سے حیات بخشتیں۔ لیکن ایک سے دوسرے پانی میں یہ مچھلیاں ویسے ہی مشکل سے نمو پاتیں جیسے گرم دریاؤں کی مچھلیاں ٹھنڈے دریاؤں میں زندگی کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔ اسی طرح اشفاق احمد تحرک سے جمود کا شکار ہوتے رہے۔ وہ خود کو روایت پرستی سے الگ ترقی پسند اور روشن خیالی کی دنیا میں دیکھنا چاہتے تھے۔ جس کام کے لیے وہ پہلے متحرک ہوتے، کسی بھی نئی درگاہ سے درس کے بعد اُسے چھوڑ دیتے۔

اشفاق احمد جب ایف۔ اے کے طالب علم تھے تو وہ راست قدم مسلمان بننے کے لیے پیرزادہ ابراہیم حنیف کے پاس گئے۔ جہاں انہیں معلوم ہوا کہ تمام احادیث غلط ہیں۔ ان کے راوی اور خالق یہودی ہیں۔ اور نماز ہماری عبادت ہی نہیں، قرآنِ پاک میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ صلوٰۃ البتہ ہے لیکن وہ بھی پنج وقتہ نہیں، دو وقتہ ہے۔ ایک صبح ایک شام! اور یوں وہ تین نمازیں چھوڑ کر دو پڑھنے لگے۔[15] پیرزادہ ابراہیم نے جو انکشافات اشفاق احمد پر کیے غالب امکان ہے کہ انہوں نے کسی ایک آیت کو دین کا ماخذ بنا کر نماز کے اوقات اور تعداد قرآنِ پاک سے متعین کر لی ہوں گی۔ جبکہ دین کا ماخذ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ اختصار کے پیشِ نظر مقالہ میں ان ماخذات سے استفادہ کر کے شواہد کا اندراج نہیں کیا گیا۔ اشفاق احمد کی زندگی میں قیامِ روم کے دوران بھی بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وہ اُفتادِ ذہنی کا شکار ہو کر نئی راہوں کی سمت گامزن ہو گئے۔ وہ روم جانے سے قبل تصوف اور روحانیت کا خاص علم نہ رکھتے تھے۔ لیکن ہم منصبوں کے اصرار پر کتابوں سے باتیں چُرا کر روحانیت پر لیکچر دینے لگے۔ اشفاق احمد کہتے ہیں:

> ”اُن دنوں میری حالت ایک جھوٹے سارس کی سی تھی۔ پتہ کچھ نہیں تھا اور میں لوگوں کے گھروں میں روحانی معلومات کے بچے ڈلیور کر رہا تھا“۔[16]

اشفاق احمد روم کے بڑے گرجا سانتا ماریا مجودے میں سے گزر کر جاتے تھے۔ وہاں وہ ذہنی و روحانی طور پر متزلزل ہوئے۔ وہ کہتے ہیں مجھے اندیشہ لاحق ہو گیا کہ میں عیسائی ہو جاؤں گا اور کیتھولک مذہب اختیار کر لوں گا۔ آخر عیسائیت بھی تو خدا ہی کا عطا کردہ ایک مذہب ہے۔ پھر

اسلام اور عیسائیت ایک ہی ندی کے دو کنارے ہیں۔ ان میں بظاہر کوئی خاص فرق نہیں۔[17] اشفاق احمد کے اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام اور عیسائیت میں کوئی خاص فرق نہیں۔ کیونکہ اشفاق احمد جن تارک الدنیا پادریوں سے متاثر تھے، وہ عقیدۂ تثلیث کی بنیاد رکھ کر شرک کے مرتکب ہیں۔ جس کی بناء پر اس مذہب کو اسلام کی ندی کا دوسرا کنارہ نہیں کہا جا سکتا۔

اشفاق احمد اپنی ذات کی تلاش اور تصوف کا علم حاصل کرنے کے لیے سرگرداں تھے۔ اسی تلاش کے نتیجے میں وہ بہت سی بے راہ رویوں کا شکار ہوئے۔ وہ خوشی محمد ناظر کے گروکے پاس بھی ایسا علم حاصل کرنے گئے جس سے وہ کائنات کا بھید جان سکیں اُن کے اندر کشف کی کیفیت پیدا ہو، جو دعا مانگیں اور جس چیز کی آرزو کریں وہ پوری ہو۔ اِس آرزو کی تکمیل کے لیے وہ اب تک جن مراحل سے گزرے تھے اس کے بارے میں کہتے ہیں:۔

> ”میری کوششیں ابتدائی قسم کی تھیں، چھوٹے چھوٹے چلے، بارہ تسبیحاں، پاس انفاس، ذکر اسم ذات وغیرہ“۔[18]

گرو چونکہ سفلی علم کرتا تھا اس لیے اشفاق احمد اس شیطانی راہ سے بچ کر نکل آئے۔ اشفاق احمد کے ساتھ پیش آنے والے واقعات، تجربات اور ان پر ہونے والے انکشافات نے بعد میں فلسفیانہ رنگ اختیار کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے انہوں نے ہر طرح کے آستانوں پر حاضری دی۔ وہ جہاں بھی کسی گیانی کا سُنتے یا کسی کے پاس خاص علم کی خبر پاتے تو فوراً کھوج لگا کر پہنچ جاتے۔ شہر روم میں آنے والے بابا دھرم داس کا چرچا سن کر اشفاق احمد بھی ان کے پاس گئے۔ بھگوان دھرم داس نے سکونِ قلب حاصل کرنے کے لیے کہا کہ:۔

> ”خوشی، مسرت، انبساط اور آنند انسان کے اندر ذاتی، اصلی اور موروثی ہوتی ہے۔ کہیں باہر سے نہیں آتی۔ نہ آسکتی ہے نہ لائی جا سکتی ہے۔ نہ باہر سے کچھ لے کر خوشی حاصل کی جا سکتی ہے۔ نہ اپنے اِرد گرد اشیاء اور دولت جمع کر کے سکونِ قلب کی دولت کمائی جا سکتی ہے“۔[19]

اشفاق احمد یہ سُن کر سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ایسی نئی بات ہے جو دینِ اسلام میں نہیں بتائی گئی اور اب اس بات نے ان کے مذہب کی کسّی ہوئی چولیں ڈھیلی کر کے ان کے اندر شبہ پیدا کر دیا تھا۔ حالانکہ دینِ اسلام نے تمام جسمانی اعضاء کو ہی بُرے کاموں سے روکا ہے اور قلب کی صفائی لازم قرار دی ہے۔ کیونکہ قلب وجود کا اہم ترین حصہ ہے۔ حدیث قُدسی ہے کہ رب زمین و آسمان کی وسعتوں میں نہیں سما سکتا لیکن اس بندے کے قلب میں سما جاتا ہے جو مومن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارا قلب مقامِ اولادِ آدم کا سب سے بڑا خزینہ ہے۔

اشفاق احمد، دھرم داس کے مذہب میں داخل ہونے کے لیے ان کے پاس گئے۔ تین دن مسز کا جاپ بھی کیا۔ لیکن جب انہیں گرو مہاراج کو سجدہ کرنے کا کہا گیا تو انکار کر کے گھر لوٹ آئے۔ لیکن یہی تلاش بعد میں انہیں بابوں کے ڈیروں پر لے گئی۔ اشفاق احمد حقیقتاً اللہ تعالیٰ

Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

کا نائب بننا چاہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی ناتواں کشتی تجربات و مشاہدات کے بحر بے کراں میں ڈال دی۔ یہ کشتی سمندر میں اُٹھنے والے مختلف طوفانوں، بھنوروں اور لہروں سے ٹکراتی رہی۔ وہ ایسے ڈائیونگ سوٹس (Diving Suits) اور سکوبا (Scuba) کی تلاش میں تھے، جو انہیں سمندر کے طیش سے بہ حفاظت نیچے لے جائے یا کوئی ایسی نیوکلیئر آبدوز جو خاموشی سے انہیں سمندر کی گہرائیوں سے آشنائی عطا کر دے۔ اور یہ آشنائی انہیں نور والوں کے ڈیرے پر اور بابا فضل شاہ سے ملی۔ پھر انہوں نے تلقین شاہ سے ہوتے ہوئے زاویہ کی شاہراہ پر قدم ڈالے۔ لیکن اشفاق احمد نے جن نظریات کا پرچار کیا ان کے بہت سے دوست اس سے اختلاف رکھتے تھے۔ حمید اختر لکھتے ہیں:۔

"انسانی زندگی، میل جول، معاشرتی ذمہ داریوں اور مذہبی امور کے بارے میں اس کے اپنے علیحدہ نظریات تھے۔ جن پر وہ سختی سے قائم رہا۔۔۔ ہمارا اس سے نظریاتی اختلاف ہمیشہ رہا لیکن اس کی وجہ سے انسانی سطح پر دوستی اور محبت کے رشتوں میں کبھی کوئی رخنہ نہیں پڑا"۔[20]

اشفاق احمد نے جو راستہ پھر اپنے لیے چنا، اُس میں آنے والی رکاوٹوں پر نظر نہیں کی اور نہ ہی کسی کی تنقید کی پرواکی۔ ابتداء میں ان کی طبیعت تصادم اور انکار و نفور سے لبریز تھی۔ وہ ان لوگوں پر بھی معترض تھے جو اپنی دولت فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں۔ لیکن نور والے بابا نے جب انہیں یہ سبق سکھایا کہ "بس وی تاں دتے وچوں دینے سی۔ کھڑے ں دینے سی"[21] تو وہ اس پر عمل پیرا ہو کر خلقِ خدا کی خدمت مال و دولت کے علاوہ اصلاحی پروگرامز سے کرنے لگے۔ اشفاق احمد کے بارے میں بانو قدسیہ یوں رقمطراز ہیں:۔

"مجھے اور تو کچھ علم نہ ہو سکا۔ میں یہاں تک سمجھ پائی ہوں کہ انہوں نے نہ سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کی نہ مابعد ہی کا سراغ لگانے میں مصروف ہوئے بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو خلقِ خدا کے حوالے کر دیا"[22]

اس صوفیانہ راہ پر بھی اشفاق احمد کچھ عجیب خواہشات کے پیروکار رہے۔ بانو قدسیہ بتاتی ہیں کہ اشفاق احمد کے پاس ایک خاتون نصرت آتی تھیں۔ جس نے اشفاق احمد کو دل سے باباجی سمجھ لیا تھا۔ وہ اشفاق احمد کے قدموں میں ڈھیر ہو کر بیٹھتی، کبھی پاؤں دباتی اور کبھی ان کے ہاتھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں سے مس کرتی۔ اور یحییٰ خان بھی اشفاق احمد سے ملنے آتے تو ان کے پیروں پر سجدہ کرتے۔[23]

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا دروغ گوئی نہیں کہ اشفاق احمد بظاہر زبان سے اقرار نہیں کرتے لیکن زاویہ میں ایک دانشور کا رول کرتے کرتے وہ خود کو پیر بابا سمجھنے لگے تھے۔ ڈاکٹر زبیر سے گفتگو کرتے ہوئے اشفاق احمد کہتے ہیں:۔

''میں بابا ہوں نہیں صرف بننا چاہتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ سرکاری لیول پر میرا اشفاق ڈے نہ منایا جائے بلکہ میرا اعرس ہوا کرے میرے بعد۔ داتا گنج بخشؒ کی طرح۔۔۔۔ وہاں دھمال پڑے قوالی ہو۔۔۔۔لوگ اندر باہر نہال ہوں نثار ہوں''۔[24]

اشفاق احمد کی شخصیت میں ستائش شامل تھی۔وہ اپنی قدرو منزلت دوسروں کی آنکھوں میں دیکھ کر مسرت محسوس کرتے تھے۔وہ کہتے ہیں میں لوگوں سے منسلک تھا۔ انسانوں کے Approval کا خواہش مند تھا۔ عوام الناس سے اپنی کارکردگی کا داد طلب تھا۔ میں جب بھی مدینے شریف آیا، میں نے واپس جا کر اپنے دوستوں، ہم وطنوں اور ہم عصروں کو وہ واقعات ضرور سنائے جس سے میرا روحانی اور ارفع مقام ان کی نگاہوں میں بلند ہوتا۔ اپنے تقدس اور اپنی بزرگی کا اظہار، دولت، طاقت، علمیت اور شجاعت سے قوی تر ہے۔[25]

ان تصریحات سے ہمیں اشفاق احمد کے شخصی تضادات کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان تضادات کا سراغ خود اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے بنیادی مآخذات اور مختلف بیانات سے ملتا ہے۔ جہاں بانو قدسیہ نے ساری زندگی اپنے شوہر کی پردہ پوشی کی وہاں انہوں نے ''راہِ رواں'' میں بعض متضاد بیانات بھی دیے۔ یہاں اشفاق احمد بھی قابلِ ستائش ہیں کہ انہوں نے اپنی بعض کمزوریوں کا علی الاعلان اعتراف کیا ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ ان میں یہ ستائشی انداز اور کمزوریاں موجود تھیں۔ تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ ساری کمزوریاں مجموعی طور پر ہر انسان میں ہوتی ہیں لیکن اشفاق احمد نے اعتراف کر کے خود کو ایک بڑا آدمی تسلیم کرانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

اشفاق احمد کی شخصیت کا جائزہ لینے کے بعد ایامِ جوانی اور ایامِ پیری کے اشفاق احمد میں موجود فرق واضح ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ ایک طویل سفر کے بعد وہ یہ حقیقت سمجھ چکے تھے کہ بالآخر سب کچھ فنا ہونے والا ہے، عنقا ہے۔ انسان کو بس دو وقت کی روٹی اور گرم ٹھنڈا پانی ملتا رہے۔ اس سے زیادہ کی اسے ضرورت نہیں۔ اس حقیقت کو دوسروں پر آشکار کرنے کے لیے انہوں نے رشد و ہدایت کا کام شروع کیا اور بے شمار تعریف و توصیف اور کامیابیاں سمیٹیں جو ان کی جدوجہد کا ثمر تھیں۔

حوالہ جات

[1] ۔ بانو قدسیہ، راہِ رواں (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۳۔

[2] ۔ ممتاز مفتی، ''اشفاق احمد۔ داستان گو'' مشمولہ، اور اوکھے لوگ (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۰۱۔۱۰۷۔

[3] ۔ اشفاق احمد، سفر در سفر (لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۴۵۔۴۶۔

[4] ۔ اے حمید، داستان گو: اشفاق احمد (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ص ۲۲۔

[5] ۔ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۳ء)، ص ۵۷۰۔

[6] ۔ اے حمید، داستان گو: اشفاق احمد، ص ۲۴۔

[7] ۔ اشفاق احمد، ''ایل ویرا'' مشمولہ، گڈریا: اُجلے پھول (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۵۵۔

[8] ۔ اے حمید، داستان گو: اشفاق احمد، ص ۷۴۔

[9] ۔ اشفاق احمد، باباصاحبا (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۶۴۔

[10] ۔ ایضاً، ص ۵۸۔

[11] ۔ اے حمید، داستان گو: اشفاق احمد، ص ۲۰۸۔

[12] ۔ اشفاق احمد، کھیل تماشا (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۱۷۔

[13] ۔ انیس ناگی، ''اشفاق احمد کی کہانی'' مشمولہ، تشکیلات: تنقیدی مضامین (لاہور: جمالیات، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۴۰۔

[14] ۔ اصغر ندیم سید، ''میرے اشفاق صاحب'' مشمولہ، عالمی اُردو ادب: اشفاق احمد نمبر، جلد ۲۴ (دہلی کرشن نگر، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۹۵۔

[15] ۔ اشفاق احمد، باباصاحبا، ص ۱۷۰، ۱۷۱۔

[16] ۔ ایضاً، ص ۵۱۔

[17] ۔ ایضاً، ص ۲۵، ۲۶۔

[18] ۔ اشفاق احمد، کھیل تماشا، ص ۱۲۱، ۱۲۲۔

[19] ۔ اشفاق احمد، بابا صاحبا، ص ۱۳۰۔

[20] ۔ حمید اختر، "داستان سرائے کا داستان گو بھی رخصت ہوا" مشمولہ، روزنامہ ایکسپریس (لاہور)، ۱۰ ستمبر ۲۰۰۴ء۔

[21] ۔ اشفاق احمد، "دیے سے دیا" مشمولہ، زاویہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۸۔

[22] ۔ بانو قدسیہ، راہِ رواں، ص ۳۵۳۔

[23] ۔ ایضاً، ص ۴۹۹۔۵۹۰۔

[24] ۔ ایضاً، ص ۴۸۹۔

[25] ۔ اشفاق احمد، بابا صاحبا، ص ۳۲۶-۳۲۸۔

References:

1. Bano Qudsia, Raah e Rawan (Lahore: Sang e Meel Publications, 2011), p. 13
2. Mumtaz Mufti, "Ashfaq Ahmed-dastan gou" mashmola, Aur Okhy Log (Lahore: Feroz Sons,1991), p. 101-107
3. Ashfaq Ahmed, Safar Dar Safar (Lahore: Sang e Meel Publications,1988), p. 45-46
4. A. Hameed, Dastan gou-Ashfaq Ahmed (Lahore: Sang e Meel Publications,1995), p.22
5. Qudrat-ul-Allah Shahab, Shahab Nama (Dehli: Educational Publishing House, 2003), p.570
6. A. Hameed, Dastan gou-Ashfaq Ahmed, p.24
7. Ashfaq Ahmed, "Ail Wira" mashmola, Gadarya: Ujley Phool (Lahore: Sang e Meel Publications, 2010), p. 155
8. A. Hameed, Dastan gou-Ashfaq Ahmed, p.47
9. Ashfaq Ahmed, Baba Sahba (Lahore: Sang e Meel Publications, 2008), p.164
10. Ibid, p. 58

11. A. Hameed, Dastan gou Ashfaq Ahmed, p.208
12. Ashfaq Ahmed, Khail Tamasha (Lahore: Sang e Meel Publications, 2007), p.117
13. Anees Nagi, "Ashfaq Ahmed ki kahani" mashmola, Tashkeelat: Tanqeedi Mazameen (Lahore: Jamaliyat, 2006), p.240
14. Asghar Nadim Syed, "Mere Ashfaq Sahib" mashmola, Aalmi Urdu Adab:Ashfaq Ahmed Number, Jild 24(Dehli: Krishan Nagar, 2006), p.295
15. Ashfaq Ahmed, Baba Sahba, p.170- 171
16. Ibid, p.51
17. Ibid, p. 25-26
18. Ashfaq Ahmed, Khail Tamasha, p. 121-122
19. Ashfaq Ahmed , Baba Sahba, p. 130
20. Hameed Akhtar, "Dastan saraye ka dastan gou bhi rukhsat huwa" mashmola, Roznama Express (Lahore), 10 September 2004.
21. Ashfaq Ahmed , "Diye Se Diya" mashmola, Zavia (Lahore: Sang e Meel Publications, 2005), p. 48
22. Bano Qudsia, Raah e Rawan, p. 353
23. Ibid, p. 499-590
24. Ibid, p. 489.
25. Ashfaq Ahmed, Baba Sahba, p. 326-328